ملال جاتا رہا

عائشہ خان

کمپوزر: پرنس فیصل ندیم

پروف ریڈر: وقار عظیم

کتابی شکل: روشنی (پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام)

ملال جاتا رہا

عائشہ خان

بالوں کو انگلیوں سے برابر کرتے ہوئے میں نے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ گھرے سرمئی بادل ایک دوسرے کے ساتھ آنکھ مچولی کرتے بھلے لگ رہے تھے۔ بادصبا بڑی موج میں ادھر سے ادھر اٹھکیلیاں کرتی درختوں اور پودوں کے ساتھ چھیڑ خانی کر رہی تھی۔

گزشتہ دنوں کی تیز چمکیلی دھوپ کے بعد وسط اپریل کا یہ خوبصورت دن بے حد خوشگوار محسوس ہو رہا تھا۔ اور اس خوبصورت موسم میں میں مالی کے سر پر کھڑا پودوں کی کٹنگ کروا رہا تھا۔

ملا کی دوڑ مسجد تک کے مصداق میرے دو ہی تو کام تھے۔ کلینک پر مریضوں کی غم گساری اور گھر پر پھولوں اور پودوں کی آبیاری۔ اس پوری لین میں سب سے دلکش ہمارا لان تھا۔ اور سٹریٹ میں داخل ہوتے ہی ہمارے گھر کی گرین بیلٹ فوراً توجہ کھینچ لیتی تھی۔ بے حد سبز اور مخملیں گھاس۔ دیوار کے ساتھ بنی کیاری میں شاداب آشوکا کے درخت اور ان کے ساتھ بڑی نفاست کے ساتھ گولائی میں کاٹے ہوئے فیکٹس مالی کے ساتھ ساتھ میری محنت کے بھی مرہون منت تھے۔

"میں نماز پڑھ کر آتا ہوں تم دوسرے فیکٹس کی کٹنگ کرو لیکن یاد رہے اس میں اور اس میں ذرا برابر بھی فرق نہیں ہونا چاہیئے"۔ میں نے اپنی نگرانی میں کٹوائے فیکٹس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ اور تبھی میری نگاہ پاس سے گزرتی ہوئی گاڑی کی طرف اٹھی تھی اور پھر اٹھتی رہ گئی۔ کچھ آگے جا کر گاڑی جس گیٹ پر رکی تھی اس کے ایک طرف منہاس زبیری اور دوسری طرف ڈاکٹر رخشندہ زبیری کے ناموں کی نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ یہ دونوں میرے بابا کے فرسٹ کزن تھے۔ اس لیے عزیز رشتہ دار تو سب مشترک تھے اور یہ چہرہ۔۔۔۔۔۔۔

میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ اب پتا نہیں اس کا شمار دوستوں میں ہوتا تھا یا مریضوں میں۔

میری نگاہیں مسلسل اس چہرے کا حصار کئے ہوئے تھیں۔ بے حد سیاہ کرلی بالوں کے ہالے میں، بے حد سپید چہرہ یقیناً ایسی دلکشی رکھتا تھا کہ دیکھنے والا چند لمحے تو ضرور محو حیرت رہ جاتا تھا۔

مگر میری محویت کی وجہ اس چہرے کی جاذبیت نہیں تھی بلکہ ان نرم ملائم گالوں پر پھیلتی آنسوؤں کی لکیریں تھیں جو گاڑی میرے قریب سے گزری تو اچانک ہی میری نظروں میں آ گئی تھیں۔

آنسو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور پھر اس قدر حسین چہرے پر

یقیناً یہ ایسی چیز نہیں تھی جو فوراً ہی نظر انداز کر دی جاتی۔ میری تمام تر توجہ مالی سے ہٹ کر اس پر مرکوز ہو چکی تھی۔ اس نے سیاہ گلاسز آنکھوں پر لگا لیے تھے اور سر سٹیئرنگ پر ٹکا دیا تھا۔

یقیناً اس کی گھور سیاہ آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں مگر میں نے آنکھیں دیکھیں کب تھیں۔ خود کو ڈانٹتے ہوئے میں نے رخ موڑنا چاہا تھا لیکن بے اختیار ہی میرے قدم انکل منہاس کے گیٹ کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

"سوری میڈم! میں کچھ لیٹ ہو گئی ہوں اگر آپ اجازت دیں تو آدھے گھنٹے تک آجاؤں؟"

وہ موبائل پر کسی سے کہہ رہی تھی۔

" تھینکس ڈاکٹر صاحبہ۔۔۔۔ تھینکس اے لاٹ۔۔۔

اس کے قدرے بلند اور تشکرانہ لہجے پر میں ٹھٹک کر رک گیا تھا۔

مجھے یقین تھا اس کی مخاطب رخشندہ آنٹی ہی تھیں۔ مگر ان کے کلینک کے سامنے کھڑے ہو کے وہ آدھا گھنٹہ لیٹ آنے کا کہہ رہی تھی۔

کیوں۔۔۔۔۔؟

اور اگلے ہی لمحے مجھے اپنے سوال کا جواب کسی حد تک مل گیا۔۔ جب اس نے گلاسز ذرا سا اوپر اٹھاتے ہوئے آنکھیں صاف کی تھیں۔ اور گلاسز دوبارہ لگاتے ہوئے گاڑی دوبارہ سٹارٹ کر دی اور میں نجانے کیوں اتنا متجس ہو رہا تھا کہ بے اختیار گیٹ پر کھڑی گاڑی میں جا بیٹھا اور چابی اگنیشن میں لگائی۔

"صاحب جی گھٹا چھا رہی ہے پودوں کو پانی لگاؤں۔۔۔۔یا رہنے دوں۔"

مالی نے جلدی سے آگے بڑھ کر پوچھا تھا۔بنا اس بات پر غور لیے میں نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اور گاڑی کو ٹرن کر کے اس کی گاڑی کے پیچھے لگا دی تھی۔

یہ سب کچھ میں نے بے اختیاری میں کیا تھا لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں نے دل پر اختیار کھو دیا تھا یا اس کے حسن نے مجھے گھائل کر دیا تھا۔بس ایک تجسس تھا جو کشاں کشاں مجھے اس کے پیچھے لے جا رہا تھا۔

دو گلیاں چوڑ کر تیسری پر اس نے گاڑی اندر کے طرف موڑ لی تھی۔میں نے گاڑی وہیں سٹریٹ کے باہر روک لی سٹریٹ اس وقت سنسان تھی۔

گلاسز اس نے آنکھوں پر چڑھائے ہوئے تھے۔اور مرر آگے کیے آنکھوں اور چہرے پر میک اپ کی تہیں جمانے لگی تھی۔گویا خود کو میک اپ کی تہوں میں چھپانے کی سعی کی جا رہی ہو۔

مگر کیوں۔۔۔۔۔۔؟

وہ جو تھی وہ نظر کیوں نہیں آنا چاہتی تھی۔یوں بہروپ بھرنے میں اس کی کیا مجبوری تھی۔۔۔۔آنسوؤں کو چھپا کر مسکرانے کی مشق کیا ضروری تھی۔میں سوچ رہا تھا تبھی ایک دم سے ابکائی آئی تیزی سے دروازہ کھولتے ہوئے اس نے منہ نیچے کر لیا۔میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا تھا۔

اور بے حد برے ہوتے دل کے ساتھ میں نے رخ موڑ لیا۔۔۔۔

اس کا انتہائی دلکش سراپا،جاذب نظر نقوش سب مجھے زمیں پر بکھری گندگی میں لتھڑے محسوس ہونے لگے تھے۔

میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر گاڑی سٹارٹ کی اور گھر جانے والی سڑک پر ڈال دی۔

گاڑی گیراج میں کھڑی کر کے میں گیٹ بند کر رہا تھا کہ مجھے اس کی سرخ گاڑی نظر آئی۔

میں سر جھٹکتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گیا۔میرا دل انتہائی برا ہو رہا تھا۔

"ہیلو ینگ بوائے۔۔۔ کہاں ہوتے ہو بھئی۔۔۔ نظر ہی نہیں آتے۔۔ آنٹی رخشندہ مما کے ساتھ لاؤنج میں چائے سے شغل فرما رہی تھیں۔

مجھے ہمیشہ مما اور انکی محبت پر رشک آیا کرتا تھا کہنے کو دونوں فرسٹ کزنز تھیں لیکن آپس میں محبت بہنوں سے بھی بڑھ کر تھی۔

"آنٹی شاید آپ کی کوئی پیشنٹ آئی ہیں؟" اچانک ہی میرے منہ سے نکلا تھا۔

"اوہ۔۔۔اچھا۔" انہوں نے اپنی نازک سی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ پھر چائے کا آخری گھونٹ بھرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

" صبح سے مجھے فون کر رہی تھی کہ آج ہی چیک کر لیں نئی نئی شادی ہوئی ہے اور میاں ابھی ہرگز بے بی نہیں چاہتا بتا رہی تھی کہ کئی دن سے دونوں میں بول چال بند ہے اور وہ اس کی مزید ناراضی افورڈ نہیں کر سکتی۔" مما کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں آنٹی رخشندہ نے وضاحت کی۔ اور پھر باہر کے طرف بڑھ گئیں۔ اور میں نخوت سے سر جھٹکتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔

"فرحان بیٹا۔"

"جی مما"۔ میں فوراً واپس پلٹا۔

" تمہارے پاپا شکایت کر رہے تھے اور میں خود بھی محسوس کر رہی ہوں کہ تم صرف کلینک اور گھر تک ہی محدود ہوتے جا رہے ہو"۔ وہ بغور مجھے دیکھتے ہوئے فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔

"کل نوشابہ آپا کے ہاں ڈنر پر بھی نہیں گئے تم۔ وہ تمہارے پاپا اور مجھ پر ناراض ہو رہی تھیں کہ ہم نے جان بوجھ کر تمھیں ان سے دور رکھا ہوا ہے"۔

"مگر ماما میں نے پھوپھو کو فون پر بتایا تھا کہ میرا ایک بہت سیریئس پیشنٹ آ گیا ہے۔ اور میں اس وجہ سے نہیں آ سکتا۔" میں نے جلدی سے اپنی صفائی میں کہا تھا۔

"تم نے تو بتا دیا تھا بیٹا لیکن انہیں کون سمجھائے۔۔وہ تو سو فیصد یہ سمجھتی ہیں کہ میں جان بوجھ کر بھتیجے کو ان سے دور کر رہی ہوں"۔انہوں نے کہا اور میں نے یکدم ان سے نظریں چرائیں تھیں۔کل تم لازمی ان کی طرف چکر لگا لینا اور ہاں آجکل تم جم نہیں جا رہے کیا؟"

"جا رہا ہوں مما" میں نے بے حد آہستگی سے کہا۔میں اب جلد از جلد یہاں سے ہٹ جانا چاہتا تھا۔اس لیے پاکٹس میں ہاتھ مارتے ہوئے میں نے ادھر ادھر دیکھا۔

"موبائل میں نے جانے کدھر رکھ دیا ہے؟"

"گاڑی میں چھوڑ کر آئے ہو گے۔"میرے حسب منشا جواب آیا تھا اور میں فوراً باہر کی جانب بڑھ گیا۔لان میں پہنچ کر دو چار لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے میں نے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

تبھی میرے سیل فون کی رنگ بجنے لگی اور میں نے ٹراوزرز کی پاکٹ سے سیل فون کو نکالا۔

"جی پاپا" سکرین پر نظر پڑتے ہی میں نے فوراً فون ریسیو کیا۔"کیا ہو رہا ہے بیٹا جی؟"

"کچھ خاص نہیں پاپا بس واک پر جانے کا سوچ رہا تھا۔"

"کمال ہے یار۔۔۔۔تم واک پر جانے کے بارے میں بھی سوچتے ہو۔۔"انہوں نے مجھے چھیڑا۔

"وہ بس۔۔۔۔ایکچوئلی آسمان بادلوں سے بھرا ہوا ہے اور بارش بھی کسی لمحے ہونے کو ہے۔"

"تو بھئی بارش میں ہی تو واک کا مزہ آتا ہے۔ہم تو تمہاری ایج میں بارش میں گھر پر ٹکتے ہی نہیں تھے۔زندگی کو انجوائے کرو یار۔۔۔یہ دن پھر نہیں آنے کے۔اچھا سنو اپنی مما سے کہہ دو شام کو تیار رہیں۔ہمیں نوشابہ کی طرف جانا ہے صبح وہ واش روم میں سلپ ہو گئی ہے۔اور ہاں تم کو بھی ہمارے ساتھ جانا ہے۔بہت یاد کر رہی تھی تمہیں وہ۔"انہوں نے کہا اور میں نے جی اچھا کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

چند لمحے میں خالی الذہنی کی کیفیت میں دور افق پر ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے بادلوں کو دیکھتا رہا پھر یونہی خالی الذہنی کی کیفیت میں چلتا ہوا باہر نکل آیا۔

سرخ گاڑی آنٹی رخشندہ کے گیٹ پر موجود تھی اور سٹیئرنگ پر سر دھرے "وہ" بھی۔

اس کا ہلتا وجود بتا رہا تھا کہ وہ رو رہی تھی۔ میں نے ایک نظر لمحہ بہ لمحہ گہری ہوتی گھٹا کو دیکھا۔ پھر اسکے ہلتے وجود پر ایک نگاہ ڈالی۔

شدید تلخی۔۔۔۔۔۔

بے انتہا کڑواہٹ مجھے اپنے اندر تک اترتی محسوس ہوئی۔

نجانے کس احساس کے تحت میں چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا اور ایک جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

" کیا آنسوؤں کی یہ بارش گناہ کی غلاظت کو دھونے کی صلاحیت رکھتی ہے میڈم "ایک ایک لفظ چبا کر کہتے ہوئے میری آواز دھیمی لیکن لہجے میں شعلوں کی سی تپش تھی۔

اس نے تیزی سے سر اٹھایا۔

گریہ وزاری سے سرخ ہوتی ہوئی آنکھوں میں شدید حیرانی اور سراسیمگی تھی۔ لب جانے کچھ کہنے کے لیے پھڑ پھڑا رہے تھے یا صدمے سے۔۔

" کس قدر کمزور ہوتی ہو تم لڑکیاں۔ کیسے لمحوں میں اپنے نفس کے سامنے سر ڈال دیتی ہو۔ خود کو چند میٹھے بولوں کے سامنے ہار دیتی ہو۔ نہ تمہیں خدا کا خوف نہ معاشرے کا۔ نہ دنیا کا خیال آتا ہے نہ آخرت کا۔ سر عام سنگسار کیا جانا چاہیئے تم جیسی ارزاں لڑکیوں کو۔ جو اپنے لمحوں کو رنگین بنانے اور اپنے نفس کی تسکین کے لیے معاشرے میں ناسور پیدا کرتی ہیں۔

میرے ارد گرد جیسے ایک الاؤ سگ رہا تھا۔ اور اسکی تپش نے میری سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں سلب کر لی تھیں۔

"چپ کر جائیں آپ۔۔۔۔ فار گاڈ سیک" دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر وہ جیسے وحشیانہ انداز میں چلائی تھی۔ اور میں یکدم ہوش میں آ گیا۔

اگر اس نے کوئی جرم کیا بھی ہو گا تو میں کون ہوتا ہوں اس پر فرد جرم عائد کرنے والا۔ میرا اس سے کیا تعلق۔۔۔کون سا رشتہ۔۔کیا واسطہ تھا۔میں اسے کیوں برا بھلا کہہ رہا تھا۔اسے گنہگار ٹھہرانے کا۔۔۔یوں کٹہرے میں لانے کا مجھے کیا حق تھا۔میں نے اپنی ازلی سرد مزاجی اور بے حسی کو معاملے سے علیحدہ کرتے ہوئے سوچا۔

پھر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پہ ڈالی۔اس نے دونوں ہاتھ ہنوز کانوں پر رکھے ہوئے تھے۔اور آنکھیں بند تھیں۔آنسو قطار کی صورت میں اسکے رخساروں سے بہتے ہوئے دامن میں گر رہے تھے۔

میں نے فلموں اور ڈراموں میں تو روتی بلکتی لڑکیوں کو کئی مرتبہ دیکھا تھا مگر حقیقی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا۔میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹا اور پلٹ کر تھکے تھکے قدموں سے اپنے گھر کے گیٹ کی جانب چل دیا۔

ایک عجیب سی وحشت مجھے یوں حصار میں لے چکی تھی کہ کسی کل چین نہیں لینے دے رہی تھی۔لان میں ادھر سے ادھر چکر لگاتے ہوئے میری ٹانگیں شل ہو گئیں۔لیکن میں جیسے شعوری طور پر بیٹھنا اور سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

لیکن سوچ ہماری مرضی کی محتاج کب ہوتی ہے۔میرے لاکھ دامن بچانے اور ذہن کو ادھر ادھر بھٹکانے کے باوجود پراگندہ قسم کے خیالات کی یلغار مجھے مضطرب کئے دے رہی تھی۔

تبھی اچانک مجھے پاپا کی کال یاد آئی۔

اس وقت میرا پھوپھو کی طرف جانے کا قطعاً موڈ نہیں تھا۔اس لیے میں نے ماما کو موبائل پر پاپا کا میسج دیا اور اپنے ضروری کام سے جانے کا بتا کر گاڑی میں گھر سے نکل آیا۔اور پھر آدھی رات تک میں سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا۔مگر وہ اک سوچ جس سے میں بچنا چاہتا تھا اس نے میرا ساتھ نہ چھوڑا۔

رات گئے جب میں لوٹا تو پورے گھر پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔میں کپڑے بدلے بنا یوں ہی بھوکا پیاسا بستر پر گرا اور جانے کب بے سدھ ہو گیا۔صبح معمول سے کافی دیر بعد میری آنکھ کھلی۔وال کلاک پر نگاہ ڈالی سات بج کر پچیس منٹ ہو رہے تھے۔دل ہی دل

میں نماز قضا ہونے پر افسوس کرتے ہوئے میں کسلمندی سے کچھ دیر آنکھیں بند کیے لیٹا رہا۔ پھر اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ روٹین کے مطابق میں ٹھیک نو بج کر تیس منٹ پر میں کلینک جانے کے لیے میں گاڑی میں بیٹھ رہا تھا۔

"صاحب جی باہر ایک بی بی آدھے گھنٹے سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" چوکیدار نے مسکراہٹ دباتے ہوئے مجھے بتایا۔ میں چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر گیٹ کے باہر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

گیٹ کے باہر سرخ گاڑی میں "وہ" میری ہی طرف متوجہ تھی۔ مگر کیوں؟ کس لیے؟ وہ یہاں کیوں آئی؟ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟ میں اس سے کیوں ملوں؟

میں نے انتہائی ناگواری سے سوچا اور بنا اس کی طرف دیکھے تیزی سے گاڑی نکال کر لے گیا۔

یہ دیکھنے کے باوجود کہ اس کی گاڑی میرے پیچھے تھی میں نے سپیڈ ہلکی نہیں کی۔ لیکن مین روڈ پر آ کے مجھے رکنا پڑا کیونکہ اشارہ بند تھا۔ اور تبھی ایک رقت بھری التجائیہ آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ "بس پانچ منٹ میری بات سن لیجیئے پلیز۔ خدا کے لیے۔۔۔۔۔۔"

میں سنی ان سنی کرنا چاہتا تھا لیکن ہر طرف سے جیسے ایک ہی صدا آنے لگی۔

خدا کے لیے۔۔۔۔۔۔ خدا کے لیے۔۔۔۔۔۔ خدا کے لیے۔۔۔۔۔

میں اس صدا سے منہ نہیں موڑ سکا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ میرے پیچھے آئیے۔" خود بخود میرے منہ سے نکلا تھا۔

"بیٹھ جائیں۔" کلینک پہنچ کر میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ اور خود کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ کئی بوجھل اور ناگوار لمحے دبے پاؤں گزر گئے تھے۔ فضا پر عجیب سا سکوت طاری تھا۔ سوائے سانسوں کی آواز کے کمرے میں کوئی آواز نہیں تھی۔

چند لمحوں بعد اس نے نہایت دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا۔

"وہ میرا فیانسی تھا چند دن بعد ہماری شادی ہونے والی تھی ساری تیاریاں مکمل تھیں کارڈ بانٹے جا چکے تھے۔ شادی ہال بک تھا۔ پارلر سے ٹائم لیا جا چکا تھا۔ ساری تیاری کمپلیٹ تھی صرف بارات اور ولیمے کا ڈریس لینا باقی تھا۔

ایک ماہ سے وہ ملک سے باہر تھا۔ اسکی ضد تھی کہ ولیمے اور بارات کا ڈریس ہم اکٹھے پسند کریں گے۔ اس لیے ابھی تک یہ دونوں ڈریس بنوائے نہیں گئے تھے۔ اور اب شادی میں چند دن رہ گئے تھے۔ جس دن وہ واپس آیا اسی دن مجھے لینے گیا۔ میرے گھر والے خاصے روشن خیال تھے۔

انہیں ہمارے اکٹھے جانے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

اسی شام آسمان گہرے بادلوں سے اٹا ہوا تھا۔ مما کا خیال تھا کی آج موسم ٹھیک نہیں اس لیے ہم اگلے دن کا پروگرام رکھ لیں۔ میرا دل تو پہلے ہی جانے کیوں عجیب سا ہو رہا تھا۔ مما کے یہ کہتے ہی میں بھی اگلے دن جانے پر زور دیتی رہی لیکن اس نے میری ایک نہ چلنے دی۔

"آنٹی ولیمے کا لہنگا تو میں نے پسند کر لیا ہے بس ماہا کو دکھانا ہے ہم یوں گئے اور یوں آئے۔" اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا تو مما نے اجازت دے دی۔ کاش نہ دی ہوتی۔

وہ یوں سست روی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا جیسے ساری رات سڑک پر بتانے کا ارادہ ہو۔ اور بادل تھے کہ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ سیاہ سے سیاہ ہوتے چلے جا رہے تھے۔ سارے رستے جیسے مہیب اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ ایک عجیب سا خوف آکٹوپس کی طرح مجھے جکڑ رہا تھا۔

اور پھر۔۔۔۔ اسی خوف نے مجھے نگل لیا۔ اندھیروں میں ڈوبے ان راستوں نے مجھے تباہ کر دیا۔

میں کوئی کچے کردار کی لڑکی نہیں تھی۔۔۔ مجھے بہکانا اور ورغلانا آسان نہیں تھا۔ مگر جب اس نے کہا۔

"خود کو میری ضد مت بناؤ ماہا۔ آدمی ضد میں آجائے تو اپنے بڑے سے بڑے نقصان کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں۔ تمہارے بنا رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن آج اگر تم نے خود کو میری ضد بنا لیا تو میں ہر رشتہ ابھی اسی لمحے توڑ دوں گا۔"

اسکا لہجہ کچھ اس قدر سنگین تھا کہ میں ہار گئی۔ میں اپنے والدین کو اور خود کو دنیا کی نگاہوں میں تماشا نہیں بنانا چاہتی تھی۔ میں خدا سے نہیں ڈری اس کے بندوں سے ڈر گئی۔ اور جو خدا سے نہیں ڈرتا اسے قدم قدم پر بندوں سے ڈرنا پڑتا ہے۔ اس کا ادراک مجھے اگلے روز ہی ہو گیا تھا۔"

کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ خاموش ہو گئی۔ میرے کھنچے ہوئے اعصاب یکدم ڈھیلے پڑ گئے۔ اور میں بوجھل قدموں سے چلتا ہوا میز کی دوسری جانب آ کر بیٹھ گیا۔

"مما تمہاری طرف آ رہی ہیں۔۔۔ مجھے امید ہے تم انہیں سپورٹ کرو گی۔ آج تم جس قدر عقلمندی کا ثبوت دو گی ہماری آئندہ زندگی اسی قدر آرام سے گزرے گی۔ ورنہ ساری زندگی کرائے کے گھروں میں ہی رلتے رہیں گے۔"

شام کو جب میں اپنے آپ سے بھی بیزار تکئے میں منہ دیئے لیٹی تھی میرے موبائل پر اس کا فون آیا تھا۔

میں اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کے الفاظ انداز اور لہجہ کچھ بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ اور اسی اثنا میں اس کی والدہ محترمہ تشریف لے آئیں۔ انہیں میرے جہیز میں گاڑی اور گھر چاہیئے تھا۔ اور یہ مطالبہ وہ بڑے دھڑلے سے کر رہی تھیں۔ پتہ نہیں انہیں یہ غلط فہمی کیونکر ہوئی کہ میرے والدین مجھے جہیز میں گاڑی اور گھر دے سکتے ہیں شاید میرے بابا کے انکم ٹیکس آفیسر ہونے کی وجہ سے۔ لیکن پھر مجھے آہستہ آہستہ یہ سمجھ آنے لگی کہ انہیں یہ غلط فہمی کیونکر ہوئی؟ اور تب میں نے خود کو بہت بہلانا چاہا لیکن کسی بہلاوے کسی خوش فہمی نے میرا ساتھ نہ دیا۔ مجھے اس لمحے صحیح معنوں میں اپنے نقصان کا احساس ہوا اور اپنے زیاں کا ادراک ہوا۔ ایک لمحے کے لیے لگا کہ کوئی گہرا پاتال ہے جس میں میں نیچے گرتی چلی جا رہی تھی۔ میں نے دنیا کی نگاہ میں رسوائی سے بچنے کے لیے اللہ کی نگاہ میں رسوا ہونے اس کی ناراضگی مول لینے کو منظور کر لیا تھا۔ کیسا گھاٹے کا سودا کیا تھا میں نے۔ زیاں کا حساب لگانے کی ضرورت نہیں تھی زیاں ہی زیاں مقدر تھا یہ میں جان چکی تھی۔"

وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔ میں نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس کے جھکے سر پر ڈالی۔ اس نے یہ تمام باتیں سر جھکا کر ہی کی تھیں۔

"وہ ساری رات میں روتی اور اللہ سے معافی مانگتی رہی۔ پتہ نہیں اللہ نے مجھے معاف کیا تھا یا نہیں لیکن مجھے ایک فیصلے پر ضرور پہنچا دیا تھا۔ اور صبح میں نے وہ فیصلہ مما کو سنا دیا۔ آپ جان ہی گئے ہوں گے وہ فیصلہ کیا تھا۔"

اس نے یکدم پلکیں اٹھا کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور میں جو بے دھیانی میں ٹک ٹک اسے دیکھ رہا تھا ایک لمحے کے لیے گڑبڑا گیا۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔ اس نے ابھی کیا کہا تھا میں نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ ہاں وہ کسی فیصلے کی بات کر رہی تھی۔ لیکن مجھے یہ سب جاننے کی کیا ضرورت تھی۔ اس نے جو بھی سوچا جو بھی فیصلہ کیا میرا اس سے کیا تعلق؟ پھر مجھے وہ کیوں یہ رام کہانی سنا رہی تھی۔ میں نے یکدم ناگواری کی ایک تیز لہر پورے بدن میں دوڑتی محسوس کی۔ اور انتہائی سرد نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے سوچا۔

"مجھے پتا ہے آپ اس سب کو جھوٹ کے ایک پلندے کے سوا کچھ نہیں سمجھ رہے لیکن پتا نہیں کیوں رات سے میرے دل میں بار بار یہ خیال آ رہا ہے کہ مجھے آپ کو وہ سب کچھ ضرور بتا دینا چاہیئے آخر اس خیال نے مجھے اس قدر تنگ کیا کہ میں آپ کے گھر تک چلی گئی۔ آپ کے چہرے پر صاف لکھا ہے کہ آپ مجھے ایک انتہائی بری لڑکی سمجھ رہے ہیں۔ اور نجانے کیوں آپ کے چہرے کی یہ تحریر مجھے دکھ دے رہی ہے مگر میرے پاس اپنی سچائی ثابت کرنے اور اپنی صفائی کے لیے کچھ نہیں۔ لیکن کبھی انسان بغیر کسی گواہی کے بھی سچائی تک پہنچ جاتا ہے۔ جیسے اس حادثے نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ سب برے نظر آنے والے برے نہیں ہوتے۔ لیکن میری دعا ہے کہ خدا نہ کرے آپ کو کوئی حادثہ یہ بات سمجھائے۔"

اس نے بے حد دلگیر لہجے میں کہا اور آہستگی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ ایک لمحے کے لیے میرے دل کو کچھ ہوا۔ اس کی سرخ متورم آنکھوں نے میرے دل میں ہلچل سی مچائی تھی۔

لیکن اگلے ہی لمحے میں نے خود کو ڈپٹتے (ڈانٹتے) ہوئے سر جھٹک دیا۔

مگر جانے کیا بات تھی کہ اسکی روئی ہوئی متورم آنکھیں میرے ذہن کی سکرین پر جیسے چپک گئی تھیں اور چونکہ میں اس کو جھوٹ اور فراڈ سمجھ رہا تھا اس لیے اپنی اس کیفیت پر سخت جھنجلاہٹ محسوس ہوئی۔ تنگ آ کر میں گھنٹہ پہلے ہی کلینک سے اٹھ گیا۔

میں نے آہستگی سے لاؤنج کا دروازہ کھولا۔ میں چاہتا تھا مما سامنے نہ ہوں۔ اور میں سیدھا اپنے کمرے میں چلا جاؤں۔ مگر دروازہ کھولتے ہی میرا سامنا مما سے ہو گیا۔

"خیریت آج تم جلدی کیوں آ گئے؟" انہوں نے پوچھا۔

کیونکہ میں بہت کم ٹائم پہلے آتا تھا۔ اور پھر میرے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی وہ ایک دم فکرمند ہو گئیں۔

"فرحان۔۔۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نہ بیٹا؟" میرا ہاتھ تھامتے ہوئے وہ پریشانی سے پوچھ رہی تھیں۔

"بالکل ٹھیک ہوں مما۔۔۔ کوئی پیشنٹ نہیں تھا اس لیے جلدی آ گیا ہوں۔"

میں نے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

"مگر تمہارا چہرہ کیوں اس قدر اترا اترا لگ رہا ہے۔"

انہوں نے بغور میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ میرے لیے ایسے ہی پریشان ہو جایا کرتی تھیں۔

وہ میری ماں نہیں تھیں لیکن میں نے کسی ماں کو ان سے زیادہ محبت کرنے والا، خیال رکھنے والا نہیں پایا تھا۔ اس وقت بھی وہ پوری توجہ سے مجھے دیکھتی اس قدر فکرمند نظر آنے لگی تھیں کہ مجھے بے اختیار ان پر بے حد پیار آیا۔ میں نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے اپنے ٹھیک ہونے کا یقین دلایا۔ وہ مطمئن نہیں ہوئیں لیکن مطمئن نظر آنے کی کوشش کرنے لگیں۔ میں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اور اس وقت میری پریشانی اور الجھن اور بڑھ گئی جب کچھ دیر شاور لینے کے بعد۔۔۔۔

ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر مختلف چینل بدلتے۔۔۔۔

اپنے پسندیدہ سونگ سنتے۔۔۔۔

کھانا کھاتے۔۔۔۔

ٹیبل پر مما کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرتے۔۔۔۔

وہ لڑکی میرے ذہن سے محو نہیں ہوئی۔ اور اسکی آنکھیں ہنوز میرے ذہن سے چپکی رہی تھیں۔

اور پھر اچانک ہی یہ پریشانی حیرت میں بدل گئی جب مجھے احساس ہوا کہ میں باقاعدہ اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

وہ لڑکی۔۔۔۔۔

وہ بدکردار لڑکی کیا اس قابل تھی کہ میں اس کے بارے میں سوچتا۔ میں نے اپنی کیفیت پر جھنجلاتے ہوئے غصے سے سوچا اور تبھی اچانک کسی نے میرے سامنے آئینہ رکھ دیا۔

میں خود کیا تھا۔۔۔۔

میری اوقات ہی کیا تھی۔۔۔۔

ایک بے نام و نشان شخص جس کو نہ اپنی ماں کی خبر تھی نہ باپ کی۔ اور اسے پیدا کرنے والے دو افراد کو اتنی بھی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ خبر رکھتے کہ اس اندھیری رات میں وہ بلی کتوں کی غذا بنا یا جرائم پیشہ افراد کے ہتھے چڑھ گیا۔ اگر میری قسمت نے یاوری کی تھی اور مجھے اس بے اولاد جوڑے کی جھولی میں لاڈالا تھا تو میں اپنی خوش قسمتی کو کوئی انعام یا اعزاز سمجھ کر اپنی اوقات بھلا بیٹھا تھا ساری پستیوں کو بھول کر خود کو ایسی بلندیوں کا باسی سمجھنے لگا۔ جہاں پر بیٹھ کر مجھے دوسروں کے خلاف فتویٰ دینے کا حق مل گیا۔ مجھے اپنا آپ کیا یاد آیا ایسے لگا جیسے کسی نے مجھے عرش سے اٹھا کے فرش پر دے مارا ہو۔ میں شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ انتہائی کرب اور اذیت سے دوچار ہو گیا تھا۔

مجھے وہ بے حد اذیت ناک اور روح فرسا لمحے یاد آرہے تھے۔ جب مجھ پر انکشاف ہوا کہ مما پاپا میرے والدین نہیں اور میرا ان سے کوئی تعلق، کوئی رشتہ نہیں۔

وہ موسم بہار کی ایک خوبصورت شام تھی جب میں ہارتی ہوئی ٹیم کو دو چھکوں کی مدد سے جتوا کر خوشی و مسرت سے سرشار گھر میں داخل ہو رہا تھا۔ مما کو سرپرائز کرنے کے خیال سے میں آہستگی سے لاؤنج میں داخل ہوا۔ کبھی کبھی جب میں انتہائی خوش ہوتا تھا تو پیچھے سے جا کر ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا کرتا اس وقت بھی میرا یہی ارادہ تھا۔ آہستگی سے لاؤنج کا دروازہ بند کرتے ہوئے میں آگے بڑھا۔

"میں نے کہیں پڑھا تھا کہ انسان کی زندگی بھی پودوں جیسی ہوتی ہے۔ کچھ کو پانی دینے کے لیے اللہ وسیلہ بناتے ہیں کچھ کو جنگل کے پودوں کی طرح خود ہی سنبھالتے ہیں۔ یہ بات سو فیصد درست ہے، دیکھو نا۔۔۔ اگر ایئر پورٹ جاتے ہوئے اس اندھیری رات میں فرحان تمہیں نہ ملتا۔ اور اس سے صرف ایک دن قبل تمہیں یہ پتا نہ چل چکا ہوتا کہ تم ماں نہیں بن سکتیں تو۔۔۔۔۔۔۔۔؟"

میں جو اپنا نام سن کر رک گیا تھا اور مسکراتے ہوئے پوری توجہ سے آنٹی رخشندہ کی بات بڑے غور سے سن رہا تھا۔ یوں لق ودق کھڑا تھا جیسے اب کبھی ہل نہ سکوں گا۔ وہ آگے بھی کچھ کہہ رہی تھیں لیکن میری سماعت تو جیسے مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ آخری جملہ جو میری سماعت نے کیچ کیا وہ یوں نشتر کی طرح میرے سینے میں گڑا کہ میں بمشکل سانس لے پا رہا تھا۔ اور یہ شاید میرے بے ربط سانسوں کی آواز تھی یا پھر کوئی اور احساس کہ ماما نے یکدم مڑ کر پیچھے دیکھا اور پھر لپک کر میری طرف بڑھیں۔ پھر مجھے کچھ پتا نہیں چلا کہ کیا ہوا شاید میں اس کرب ناک انکشاف کی تاب نہ لا کر ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

وقت کا کام گزرنا ہے سو گزرتا چلا جاتا ہے۔ اسے نہ کسی کے ہنسنے سے غرض ہوتی ہے نہ رونے سے نہ خوشیوں سے کوئی مطلب نہ غموں سے۔ یہ ہر حال میں اپنی مخصوص رفتار سے رواں دواں رہتا ہے۔ یہ ہماری اپنی کیفیات، احساسات و جذبات ہوتے ہیں جو وقت کو ہماری من پسند صورتوں میں ڈھالتے ہیں۔ کبھی یہ ہمارے لیے خوشگوار قہقہہ بن جاتا ہے کبھی دلگداز آنسو۔

لیکن وقت کی یہ تصویر۔۔۔

زندگی کا یہ رخ۔۔۔۔

میرے لیے انتہائی اذیت ناک تھا۔

ماما پاپا کی محبتوں اور چاہتوں میں پہلے سے زیادہ شدت تھی۔

ہر خواہش میرے لبوں سے نکلنے سے پہلے پوری کی جاتی۔ کوئی ایسی آسائش نہیں تھی جو مجھے حاصل نہ ہو لیکن یہ سب کچھ میرے لیے بے کار تھا۔ ہر کوئی مجھے تمسخر اور حقارت سے گھورتا محسوس ہوتا۔ اور تحقیر و تذلیل کا شدید احساس مجھے کسی پل چین نہیں لینے دیتا تھا۔

پاپا ماں سے گلے لگاتے۔ ماما پیار کرتی اور بلاتی تھی۔ رخشندہ آنٹی سمجھاتیں۔ لیکن جیسے ہر لمحہ ہر پل مجھے اندر سے توڑتا ہوا ریزہ ریزہ کرتا گزر جاتا تھا۔ قصور میرا ابھی نہیں تھا میرے ساتھ قسمت نے مذاق ہی ایسا اندوہناک کیا تھا۔

پھولوں بھری راہ گزر پہ چلتے چلتے اگر انسان کا دامن کانٹوں سے الجھ جائے تو وہ اسے کسی طرح کانٹوں سے چھڑا سکتا ہے۔۔۔۔۔

خوشبو بھری راہ پر چلتے چلتے کسی موڑ پر کیچڑ آجائے اور انسان اس کیچڑ میں پھسلے اور گندگی میں لت پت ہو جائے تو وہ نہا سکتا ہے۔۔۔۔۔

لیکن جو خود ہی گندگی کی پوٹ اور گناہ کی پیداوار ہو، وہ کیا کرے۔۔۔

کیسے خود سے لگی نجاست اور غلاظت سے خود کو پاک کرے۔

کیسے خود کو پاک کرے۔۔۔

میں خود سے سوال کرتا اور کوئی جواب نہ پا کر جی چاہتا خود کو ختم کر لوں۔ مگر پھر ماما پاپا کی محبتیں میری راہ کی دیوار بن جاتیں۔

میری صحت روز بروز گرتی جا رہی تھی۔

کالج سے آئے روز چھٹیوں کی وجہ سے میری تعلیم متاثر ہو رہی تھی۔

ماما پاپا مجھے دیکھ کر پریشان تھے۔ میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا لیکن یہ کوشش کامیاب نہیں ہوتی تھی۔

مگر پھر رفتہ رفتہ ماما پاپا کی بھرپور توجہ اور سائیکاٹرسٹ کے علاج سے میری حالت سنبھلنے لگی۔ لیکن میری زندگی بالکل بدل کر رہ گئی۔۔۔۔۔

میں جو بے حد شوخ و شنگ طبیعت کا مالک تھا بے حد سنجیدہ ہو کر رہ گیا۔ ایک عجیب سی اکتاہت ہر وقت مجھ پر طاری رہتی۔ لوگوں سے ملتے ہوئے بے حد گھبراہٹ ہونے لگی۔ میں بس گھر سے کالج اور کالج سے گھر تک محدود ہو کر رہ گیا۔ اور یہ سب چیزیں آج تک برقرار تھیں۔

بہت سا وقت گزر گیا لیکن "کیسے" اور "کس طرح" یہ میں ہی جانتا تھا۔ اور آج جب مجھے وہ بیتا وقت وہ لمحے یاد آئے وہ اذیت بھی یاد آرہی تھی۔ جو میں نے اپنے دل۔۔۔ اپنے وجود پر سہی۔

اور میری رگیں اس یاد کے ساتھ ہی جیسے ٹوٹنے لگی تھیں۔ کرب سے لب بھینچتے اور بالوں کو مٹھیوں میں جکڑتے ہوئے میں پتا نہیں کتنی دیر کمرے میں چکر اتارہا اور آخر بے دم سا ہو کر ریوالونگ چیئر پر گر سا گیا۔ پھر وہیں جھولتے جھولتے شاید میری آنکھ لگ گئی۔

اور وہ کوئی پراگندہ خیال تھا۔۔۔۔۔یا کوئی ڈراؤنا خواب

جس نے مجھے ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ میں پھٹی پھٹی نگاہوں کے ساتھ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

سیاہ اندھیری رات میں جب ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا ہو۔۔۔۔

پاس کھڑا شخص دکھائی نہ دیتا ہو۔۔۔۔

ہر طرف ہیبت ناک سکوت میں ذرا سی آواز بھی خوفزدہ کرتی ہو۔۔۔۔

کہر نے ہر شے پر اپنا تسلط جمار کھا ہو۔۔۔

سردی اتنی کہ دانت بج رہے ہوں۔۔۔۔

میں دھک دھک کرتے دل کے ساتھ سنبھل سنبھل کر قدم اٹھاتا جانے کدھر جا رہا تھا۔ جب اچانک ابھرنے والی کتوں کے بھونکنے کی تیز آواز نے خوف سے میری دھڑکنوں کو منتشر اور میرے قدموں کو منجمد کر دیا ہو۔ اور اگلے ہی لمحے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ سفید کپڑے میں لپٹا نومولود بچہ تھا۔ جس پر وہ کتے جھپٹ پڑنے کے لیے تیار تھے۔

کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر میں نے لمبے لمبے سانس لے کر خود پر قابو پانے کی سعی کی۔

محض ایک خواب پر ڈر جانا کیسا پاگل پن تھا۔ خود کو ڈپٹتے ہوئے میں نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر اعصاب پر شدید دباؤ تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد جا کر طبیعت کہیں بحال ہوئی مگر سر اب بھی بوجھل اور جسم بے جان سا محسوس ہو رہا تھا۔

میں نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی موبائل اٹھا کر ریسپشنٹ کو اپنے نہ آنے کا بتایا اور نیند کی ٹیبلٹ لے کر سونے کے ارادے سے اٹھا۔ لیکن پھر پتا نہیں کس خیال کے تحت سونے کے ارادے کو ترک کر کے بے خیالی کے عالم میں چلتا ہوا بک شیلف کے پاس آ کھڑا ہوا۔

اس وقت سونے کے علاوہ ذہن کو منتشر کرتی ان سوچوں سے بچنے کے لیے واحد مصروفیت مجھے مطالعہ ہی نظر آرہا تھا۔ میں نے ایک ڈائجسٹ اٹھایا اور ذہن کو ہر قسم کی سوچوں سے خالی کرنے کی سعی کرتے ہوئے خود کو اس میں گم کرنا چاہا۔

☆ ☆ ☆

اس نقطے پر تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ اس طرف تو کبھی میرا دھیان ہی نہیں گیا۔ اور اب گیا تو مجھے اپنی کم فہمی اور کوتاہ نظری پر افسوس ہونے لگا۔

" آپ کے چہرے پر صاف لکھا ہے کہ آپ مجھے ایک انتہائی بری لڑکی سمجھ رہے ہیں۔ اور جانے کیوں آپ کے چہرے کی یہ تحریر مجھے کیوں دکھ دے رہی ہے لیکن میرے پاس اپنی سچائی ثابت کرنے اپنی صفائی کے لیے کچھ نہیں۔۔۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو سچائی پر پہنچنے کے لیے کسی گواہی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کوئی واقعہ۔۔۔ کوئی حادثہ اس کے اندر کی آنکھ کھول دیتا ہے۔ پھر وہ صرف وہ سب نہیں دیکھتا جو اسے نظر آرہا ہوتا ہے۔ بلکہ اس نظر آنے والی حقیقت کی تہہ تک بھی اس کی رسائی ہونے لگتی ہے۔ جیسے اس حادثے نے مجھے سمجھادیا ہے کہ بعض اوقات انسان برا نہیں ہوتا لیکن برا سمجھا جاتا ہے۔ جھوٹ نہیں بولتا لیکن جھوٹا کہلاتا ہے۔ کیونکہ حالات وواقعات اسے ایسا ثابت کر رہے ہوتے ہیں۔ مجھے بھی حالات وواقعات ایک بدکردار لڑکی بنا کر دکھا رہے ہیں پھر میں آپ سے یا کسی اور سے گلہ کیوں کروں۔"

وہ بے حد اداس اور دلگیر لہجہ۔۔۔۔۔۔

جسے سن کر میں نے سر جھٹک دیا میری سماعت سے ٹکرایا اور میرے دل میں ایک گہرا اضطراب کروٹیں لینے لگا۔

کس قدر سنگ دل اور بے حس تھا میں۔۔۔۔۔۔

اور سمجھتا خود کو بہت حساس تھا۔ تاسف کے گہرے احساس کے ساتھ دو آنکھیں میرے تصور کے افق پر لہرائیں۔ بھلا ان آنکھوں کا رنگ کیسا تھا۔

گہرا براؤن۔۔۔۔۔؟

نہیں شاید سیاہ۔۔۔۔؟

میں نے سوچا لیکن ٹھیک طرح سے یاد نہیں آیا تھا اور آتا بھی کیسے۔۔۔۔

اپنی بد گمانیوں میں گھرے ہوئے میں نے تو اس کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا اور اگر دیکھا بھی تو ان میں درد کا رنگ ہی اس قدر گہرا تھا کہ کوئی اور رنگ نظر ہی نہیں آیا۔ اور میں نے اس دکھ میں اس درد میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔

اف۔۔۔۔۔

یہ میں نے کیا کیا۔۔۔؟

ایک دکھے دل کو کچھ اور دکھا دیا۔ یہ کیسی خطا سرزد ہوئی تھی مجھ سے۔ اور یہ خطا تو نہیں یہ تو جرم اور گناہ تھا۔ مگر اب۔۔۔۔۔

اب کیا ہو سکتا تھا۔ تاسف سے ہاتھ ملتے ہوئے میں نے سوچا۔

اور پھر یکدم ایک خیال نے مجھے چونکا کے رکھ دیا۔ چند لمحے میں حیران حیران اس پر سوچتا رہا۔ غور کرتا رہا۔

مگر کچھ لمحوں قبل دہرائی گئی بیتے لمحوں کی کرب ناک یاد کے بعد۔۔۔

سوتی جاگتی کیفیت میں دیکھے گئے اس خواب کے بعد۔۔۔

اور ان روئی روئی آنکھوں سے جھانکتے سچ کے ادراک کے بعد۔۔۔

مجھے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے اور خود کو کسی فیصلے پر پہنچانے کے لیے زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہ تھی۔

ابھی مجھے بہت سے کام کرنے اور اہم مرحلے سر کرنے ہیں۔۔۔

جن میں سے سب سے مشکل کام رخشندہ آنٹی کو اپنا ہمراز اور ہمنوا بنانا ہے۔۔۔۔

بلکہ سب سے مشکل مرحلہ تو وہ ہو گا جب میں ہنی مون کے لیے جا کر چند سال واپس نہیں آؤں گا۔

اور اس سے بھی مشکل۔۔۔۔

ارے ارے مشکل کی گردان ختم کرتے ہیں۔

اس یقین کے ساتھ کہ مشکلیں ہزار ہوں اللہ کو انہیں آسان کرنے میں پل بھی نہیں لگتا۔

اور پھر جو شخص دوسروں کی راہیں آسان کرنے کی سعی کرتا ہے اس کی راہیں خود بخود آسان ہوتی رہتی ہیں۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ آج برسوں بعد میں خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

جس طرح ایک دن اچانک میرے وجود،دل اور روح پر منوں بوجھ آن پڑا تھا۔۔۔

ایک ایسا بار جسے نہ میں اٹھانے کی سکت رکھتا تھا نہ اتار پھینکنے پر قادر۔اپنی بے ذات اور بے شناخت ہونے کی اذیت ہی ناقابل برداشت تھی۔اس پر ہر وقت اپنی حقیقت کے کھل جانے کا خوف سر پر جیسے تلوار کی طرح لٹکا رہتا۔

لیکن اتنے برسوں کے بعد۔۔۔۔۔۔۔

آج اسی طرح میرے تمام خدشے تمام خوف اور ہر ڈر خود بخود ختم ہو گیا ہے۔دل میں یہ یقیں جا گزیں ہے کہ عزت اور ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اور اللہ یقیناً مجھے عزت دینا چاہتا ہے۔مجھ پر بے تحاشہ مہربان ہے۔

میری زندگی کا اک اک لمحہ اور اب یہ فیصلہ اس بات کا گواہ ہے۔

وہ خود لوگوں کے عیب چھپاتا اور عیب چھپانے والوں کو پسند کرتا ہے۔اور مجھ سے یہ فیصلہ کروا کر اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ مجھے پسند کرتا ہے۔اور اللہ جسے اپنی پسندیدگی سے نواز دے اس کے دل سے تمام خدشے اور وسوسے دور کر کے یقین و ایمان بھر دیتا ہے۔تمام ملال ختم کر کے سکون اطمینان مقدر کر دیتا ہے۔

شکر گزاری کے بے پناہ احساس کے ساتھ اس کے حضور جھک جانا چاہیئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ختم شُد☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆